مکتوبات مجدّد الف ثانی

از جناب مفتی عتیق الرحمن عثمانی

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ۱۴ شوال ۹۷۱ھ مطابق ۵ جون ۱۵۶۴ء کو ہوئی اور وفات ۲۸ صفر المظفر ۱۰۳۴ھ مطابق ۲۶ نومبر ۱۶۲۴ء میں، آپ کا پورا نام ابوالبرکات احمد بدرالدین ہے اور لقب امام ربانی مجدد الف ثانی، مجدد صاحب کے چھٹے دادا امام رفیع الدین فیروز شاہ تغلق کے دور میں سرہند آکر آباد ہوئے، امام رفیع الدین اپنے وقت کے صاحب علم وفضل بزرگ تھے اور ان کی اولاد بھی صلاح وتقویٰ اور علم کے زیور سے آراستہ رہی، حضرت مجدد صاحب کے والد بزرگوار کا نام مخدوم عبدالاحد ہے، مخدوم خواجہ عبدالاحد جید عالم اور پاک باز صوفی تھے، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے ہات پر بیعت کی اور خلافت شیخ گنگوہی رح کے صاحبزادے شیخ رکن الدین رح سے حاصل کی، مخدوم عبدالاحد کے سات صاحبزادوں میں مجدد صاحب چوتھے صاحبزادے ہیں، مجدد صاحب کی پیشانی پر بچپن ہی سے ہوش مندی اور ذکاوت ونجابت کے آثار نمایاں تھے، بچپن میں ایک دفعہ سخت بیمار ہو گئے، آپ کی والدۂ ماجدہ نے اس وقت کے بزرگ شیخ کمال قادری کیتھلی سے دعائے صحت کی درخواست کی، شاہ صاحب نے دعا کی اور فرمایا پریشان نہ ہو، یہ بچہ بڑا ہوگا اور اللہ تعالیٰ اس سے بڑے بڑے کام لے گا، نو سال کی عمر میں قرآن پاک حفظ کرلیا اور پھر اپنے والد ماجد خواجہ عبدالاحد اور دوسرے علماء سے محنت، لگن اور مکمل

انہماک سے مروجہ کتابیں پڑھیں ، ۱۷ سال کی عمر میں تمام کتب درسی سے فراغت حاصل کرلی اور والد سے تجدید بیعت کی ، مجدد صاحب کی جو کیفیت علوم ظاہری کی تحصیل کے وقت تھی وہی کیفیت مراحل سلوک طے کرنے کے وقت رہی ، چنانچہ مدارج تصوف سے جلد جلد گزرتے چلے گئے اور ان منازل کی تکمیل کے بعد والد صاحب نے آپ کو سندِ خلافت مرحمت فرمادی۔

۱۰۰۸ھ حج کے ارادے سے دہلی پہونچے اور آپ کی ملاقات شیخ حسن کشمیری سے ہوئی ، شیخ حسن مجدد صاحب کی طالب علمی کے زمانے کے دوست اور حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے ، ان کو مجدد صاحب کے رجحانات کا اندازہ تھا کہ طریقۂ نقشبندیہ سے قلبی لگاؤ ہے اور کسی مرشدِ کامل کی تلاش میں رہتے ہیں ، اسی بنیاد پر شیخ حسن نے اپنے مرشد کا ذکر کیا اور خواہش کی کہ حضرت خواجہ باقی باللہ سے ملاقات کریں ، مجدد صاحب ان کے ساتھ خواجہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے ، دونوں صاحب کمال تھے اور دونوں کے دل انوار الٰہی سے منور تھے ، ملاقات کے ساتھ ہر ایک کی حالت وکیفیت دوسرے پر منکشف ہوگئی اور اس طرح آپ کی دیرینہ آرزو برآئی اور حضرت خواجہ صاحب کے سلسلہ میں داخل ہوگئے دو اڑھائی سال کی مدت میں اللہ تعالےٰ نے آپ کو کمالات کے اعلیٰ درجات تک پہونچادیا یہاں تک کہ خواجہ صاحب نے اپنے تمام مریدوں کو آپ کی تربیت میں دے دیا ، خواجہ صاحب کا ۲۵ جمادی الاُخریٰ ۱۰۱۲ھ کو وصال ہوگیا اور مجدد صاحب سرہند واپس تشریف لے آئے ۔ حضرت مجدد صاحب کا دور اکبر اور جہانگیر کی شوکت وسطوت کا دور تھا مغل سلاطین کے اس دور میں آپ نے حق کی شان اور صداقت کی آن قائم رکھنے کے لئے ہر طرح کے مصائب برداشت کئے یہاں تک کہ دو سال تک قلعۂ گوالیار میں قید بھی رہے بالآخر وقت کے اقتدار اعلیٰ کو

آپ کی عزیمت کے سامنے جھکنا پڑا اور اعلائے کلمۃ الحق کے لئے آپ نے جو راہ اختیار کی تھی زندگی کے آخری لمحات تک اُس پر ایک مضبوط چٹان کی طرح جمے رہے،
زیرِ نظر ریڈیائی تقریر حضرت مجدد صاحب کے حالات وسوانح اور مجددانہ کارناموں کی تفصیل پر نہیں صرف مکتوبات اور ان کی خصوصیات پر ہے، ریڈیو سے جو تقریریں نشر ہوتی ہیں، مختصر بھی ہوتی ہیں اور ان کا رنگ بھی جدا ہوتا ہے، امید ہے قارئین اس تقریر کو اسی نظر سے پڑھیں گے۔

عتیق الرحمٰن عثمانی

ہندوستان میں اسلامی دور کے ملفوظات اور مکتوبات کا معتبر و مستند سرمایہ بہت کم ہے، ملفوظات و مکتوبات دونوں میں تحریف و تلبیس کا امکان زیادہ ہوتا ہے، ملفوظات کے بہت سے مجموعے جنھیں لوگ مستند سمجھتے ہیں فی الحقیقت بے اصل اور موضوع ہیں۔ حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلوی رح کی اس جعلی لٹریچر کے متعلق یہ رائے تھی: "درآں بسیار الفاظ است کہ مناسب اقوال ایشاں نیست" اس کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ کوئی معتبر مجموعۂ ملفوظات و مکتوبات سامنے آگیا ہے تو اس نے نہ صرف یہ کہ اپنی اثر آفرینی سے پورے ماحول اور سماج کو متاثر کیا ہے بلکہ دلوں کی دنیا بدل دی ہے، شہنشاہِ سخن امیر خسرو نے امیر حسن علا سنجری کے مرتب کردہ مجموعۂ ملفوظات حضرت سلطان نظام الدین اولیاء رح "فوائد الفواد" کے متعلق بے اختیار کہہ دیا تھا "کاش کہ تمامی کتب کہ عمر دراں صرف کردہ ام برادر امیر حسن را بودے، و ملفوظات سلطان المشائخ کہ جمع کردہ است مرا بودے" یعنی کاش میری تمام تصنیفات جن کی ترتیب و تدوین پر عمر کا بہترین حصہ صرف ہوا ہے برادر امیر حسن کی ہوتیں اور صرف ان کے جمع کئے ہوئے سلطان المشائخ کے ملفوظات میرے ہوتے" بہرحال بہت تھوڑے حضرات ایسے ہیں جن کے ملفوظات اور مکتوبات کو سندِ اعتبار و صحت اور نعمتِ مقبولیت حاصل ہوسکی ہو، حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رح کے مکتوبات ہمارے ملک کے اسلامی دور کے سب سے قیمتی، سب سے محفوظ اور

ضخیم وعظیم سرمایہ کی حیثیت رکھتے ہیں، معرفت وتصوف کی چند ہی کتابوں کو وہ شہرت وعظمت اور قدر ومنزلت حاصل ہوئی ہے جو مکتوبات امام ربانی کے حصے میں آئی، مجدد صاحب کی حیات ہی میں اُن کے خطوط کی نقلیں ہندوستان اور ہندوستان سے باہر دوسرے ملکوں میں پھیل گئی تھیں اور لیل ونہار کی ہزاروں گردشوں کے باوجود آج بھی اُن کی اہمیت ومقبولیت کا یہی عالم ہے، فارسی سے دوسری زبانوں میں ترجموں کے علاوہ روس کے ایک مکی مہاجر ملّا مراد نے عربی میں ان کا ترجمہ کیا جو ٹائپ میں چھپ کر تمام عرب ممالک میں پہونچ گیا، عربی زبان میں اشاعت کے بعد حدیث وتفسیر کی کتنی ہی کتابوں میں مکتوبات کے مضامین نقل کئے گئے۔ علی الخصوص سلطان عبدالحمید خاں ترکی خلیفہ کے عہد کے مشہور ومقبول عالم علامہ سید محمود آلوسی کی تفسیر "روح المعانی" میں تو اس کا غیر معمولی اہتمام کیا گیا ہے کہ جس جگہ بھی ان مکاتیب کے ذکر کا موقع آجاتا ہے "قال المجدد الفاروقی" کے نام سے آپ کے خاص خاص نظریات اور تعبیرات کو بڑے اہتمام سے پیش کرتے ہیں اور اہم تر مسائل کے تصفیہ میں سند کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان مکتوبات کی غیر معمولی مقبولیت کی وجہ ایک طرف ان کے مضامین عالیہ کی اثر انگیزی، ان کی انقلابی اور اصلاحی اسپرٹ، صاحب مکتوبات کی وسیع وعمیق علمیت اور روحانی شرف وفضیلت ہے، دوسری طرف ان کا اچھوتا اور دل نشین طرزِ تحریر ہے۔ مکتوبات کو پڑھکر یہ حقیقت پوری طرح جلوہ گر ہو جاتی ہے کہ حضرت مجدد، ایک مجددِ وقت، ایک دانائے روزگار حکیم، ایک بلند پایہ عالمِ دین اور ایک بیدار قلب روحانی پیشوا ہی نہیں تھے بلکہ اول درجہ کے انشاء پرداز بھی تھے، جن کی تحریریں ادب وانشاء کی نزاکتیں اور لطافتیں موجود ہیں۔ وہ تحریر خطوط کے وقت تحریر کی انشائی اور ادبی باریکیوں پر مبصرانہ نظر رکھتے تھے، ان کے مکتوبات کے بڑے حصے میں علمی، دینی اور حکمت ومعرفت کے مسائل ہیں اور اُن پر محققانہ بحثیں ہیں، ان کے بیان کے لئے انھوں نے وہی عالمانہ تحقیقی طرز تحریر اختیار کیا ہے جس میں کم سے کم لفظوں میں زیادہ سے زیادہ معانی اور حقائق ادا ہو جائیں، وہ اگرچہ ارباب تصوف

اور اصحابِ باطن کی مروجہ اصطلاحیں کثرت سے استعمال کرتے ہیں اور اسی لئے ناواقف لوگوں کو بعض مطالب کے سمجھنے میں دشواری بھی پیش آتی ہے، لیکن ان میں ثقیل الفاظ بہت کم ہیں، خاص طور پر ان خطوط کی زبان جو عقیدوں کی وضاحت یا مبتدیوں اور نوجوان طالبوں کے لئے لکھے گئے ہیں نہایت سلیس، سبک اور عام فہم ہے۔ مکتوبات کا ایک حصہ ہم عصر اُمراء کے نام ہے، اس میں ان امیروں اور دولت مندوں کو روحِ شریعت کی حفاظت اور دینِ حق کی مدد کی تلقین کی گئی ہے، اس طرح کے تمام مکاتیب کا اندازِ تحریر علمی خطوط سے قطعی طور پر مختلف ہے، ان خطوط میں عالمانہ بھاری بھرکم اصطلاحیں کم ہیں، الفاظ اگرچہ روحانیت کے پرشکوہ قالب میں ڈھلے ہوئے ہیں لیکن سریع الفہم ہیں، آسانی سے اُن کا مفہوم سمجھ میں آجاتا ہے، اس کے باوجود اسلوب بیان میں خطیبانہ جوش اور داعیانہ ولولہ ہے، ان خطوط کا ایک ایک لفظ روحانی تاثیر میں ڈوبا ہوا ہے، دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ یہ تمام خطوط دلِ پاک باز سے نکلے ہوئے جذبات کا صاف وشفاف آئینہ ہیں اس لئے قدرتی طور پر ان کا اثر براہِ راست باطن پر پڑتا ہے اور دل کی شکنیں کھلتی چلی جاتی ہیں، پیش نظر مقصد کی تشریح کے لئے کہیں کہیں کوئی نفیس شعر یا شعر کا کوئی مصرعہ بھی استعمال کرتے ہیں جس سے مضمون کی دل نشینی اور اثر انگیزی میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے، اسی کے ساتھ الفاظ کے موزوں انتخاب اور تقابل کے حُسن کا بھی پورا خیال رکھتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ انھوں نے اپنے قلم کی ادبی اور روحانی طاقت سے ایک عظیم اور زبردست سماجی انقلاب کی آبیاری کی، ایک پورے عہد کو بدل ڈالا اور ایک نئے عہد اور اُس کی لطافتوں اور امنگوں کو پیدا کیا۔ اُن کے دامنِ عقیدت کے وابستگان میں درویش بھی ہیں اور صوفی بھی، سالک بھی ہیں اور مجذوب بھی مادہ پرست فلسفی بھی ہیں اور عارفینِ حق اور کاملین حکمت ومعرفت بھی، نامور فاتحین بھی ہیں اور صاحبِ سطوت اُمراء بھی۔ آئیے اس پس منظر کی روشنی میں ان کے مکتوبات پر ایک ہلکی سی نظر ڈالیں۔

حضرت مجدد صاحب کے مکتوبات کے تین دفتر اور تین حصے ہیں، حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے حلقہ بیعت میں داخل ہونے کے بعد اِن مکاتیب کی ابتدار ہوئی، کم وبیش چار سال کی مدت میں بیس خط اپنے پیر ومرشد کو لکھے، ان مکتوبات کی حیثیت باقی خطوط کے سرنامے کی ہے، اس طرح تحریر خطوط کی ابتدار ۱۰۰۸ھ سے ہوئی ہے۔ مکتوبات کے پہلے دفتر کے جامع اور مُرتب مولانا یار محمد الجدید البدخشی الطالقانی ہیں، ۱۰۲۵ھ میں مکتوبات شریف کی تعداد ۳۱۳ ہوگئی تو تذکرہ نویسوں کے بیان کے مطابق حضرت مجدد صاحب نے مولانا یار محمد سے فرمایا کہ خطوط کی یہ تعداد اصحاب بدر کی تعداد کے برابر ہوگئی ہے، بہتر ہو کہ اس دفتر کو اسی تعداد پر ختم کردو، اس کے بعد خطوط مبارک کو مولانا عبدالحی حصاری نے جمع کرنا شروع کیا، ۱۰۲۸ھ میں دفتر دوم کے خطوط کی تعداد ۹۹ ہوگئی تو ارشاد ہوا کہ اسماءِ حسنیٰ کی تعداد بھی یہی ہے ۔ اس حصے میں یہی تعداد رہے۔

تیسرے مرحلے میں آپ کے خلیفہ مولانا محمد ہاشم کشمی نے یہ خدمت انجام دی، یہاں تک کہ جب خطوں کی تعداد ۱۱۴ ہوگئی تو فرمایا، قرآن مجید کی سورتوں کی بھی یہی تعداد ہے، تبرکاً وتیمناً اس حصے کو اسی عدد پر ختم کردو، یہ ۱۰۳۱ھ کا واقعہ ہے، بعد میں اس تیسرے حصہ میں چند مکاتیب کا اور اضافہ ہوا، دفتر اول کا نام دُرّ المعرفت، دفتر دوم کا نام نور الخلائق اور دفتر سوم کا نام معرفۃ الحقائق ہے۔

مجدد صاحب کی شخصیت کی طرح اُن کے خطوط کا یہ عظیم الشان ذخیرہ بھی اپنا جواب نہیں رکھتا، اُن کے طرز تحریر میں قوس قزح کے سارے رنگ جمع ہوگئے ہیں، کہیں زورِ خطابت ہے، کہیں متکلمانہ اور فقیہانہ موشگافی اور کہیں انتہائی علمی متانت ووقار اور ہر منزل میں اعلیٰ درجہ کی فصاحت وبلاغت اور اندازِ بیان کی اہمیت کا احساس، ـــ شریعت و طریقت اور حقائق ومعرفت کے اس بحر ذخار کو اگر مختصر عنوانوں میں یکجا کرنے کی کوشش کی جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ مکتوبات کا بنیادی تعلق تین عنوانوں سے ہے (۱) دینی،

(۲) سماجی اور اصلاحی (۳) سیاسی ۔ دینی مکاتیب میں تصوف کے نازک اور الجھے ہوئے مسائل کو آپ نے جس حُسن و خوبی اور تحقیق و بصیرت سے حل فرمایا ہے اس کا پڑھنے سے تعلق ہے، ایک مکتوب میں عالمِ مثال کے متعلق لکھا ہے، یہ عالم صرف دیکھنے کی جگہ ہے، رہنے کی نہیں، کیونکہ یہ عالمِ روح اور عالمِ جسم کے درمیان میں ہے اور آئینہ کی طرح ہے، اس میں ان دونوں عالموں کا عکس نظر آتا ہے ۔ توحیدِ وجودی اور توحیدِ شہودی کے مسئلے پر معرکۃ الآرا مباحث اور تحقیقات ہیں، آپ نے ان مغالطہ انگیز بحثوں کو زیادہ سے زیادہ دل پذیر بنانے کی کوشش کی ہے، ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں : "بے شبہ توحید وجودی کا مقام سالک کو پیش آتا ہے لیکن یہ مرحلۂ اول ہوتا ہے، انتہائے سفر نہیں ہے، اس مقام میں سالک نے شرابِ محبت کا جام پیا ہوا جس نے اس کو مدہوش کر دیا ہے، اس کو نہ اپنی خبر ہے نہ دوسروں کی، جب تک بے ہوش رہے گا اس کو محبوبِ حقیقی کے علاوہ کوئی چیز نظر نہیں آئے گی، اس مقام کی بے ہوشی اتنی پرکیف اور رنگین ہے کہ اس سے نکلنے کو جی نہیں چاہتا، اس مقام کے بعد عالمِ ظلال اور عالمِ خمار ہے، یعنی بے ہوشی اور ہوش کے درمیان کی حالت، اس مقام اور حال میں سالک نہ پورے ہوش میں ہوتا ہے نہ پوری مدہوشی میں، اس عالم کی کچھ اور ہی کیفیت ہوتی ہے ۔ اس کے بعد کامل ہوش اور صحو کا مقام آتا ہے، اس کا نام مقامِ عبدیت ہے، یہ انکساری اور خاکساری کا مقام ہے، اس مقام پر بندہ بندہ ہے اور خالق خالق ہے، یہی مقام حضرات انبیاء کا ہے، جن سے اللہ کی مخلوق کی رہنمائی اور ہدایت وابستہ ہے، اس منصب پر وہی فائز ہو سکتا ہے جو کامل ہوش میں ہو، اس مقام پر پہونچنے کے بعد سالکِ راہِ طریقت کو معلوم ہو جاتا ہے کہ مدہوشی کے پہلے مقام میں اس کی زبان پر "تو ہی تو" کا جو نعرہ تھا وہ شرابِ محبت کا اثر تھا، بنا بریں یہ توحید صرف شہودی ہے، حقیقی اور وجودی نہیں" وحدۃ الوجود کا سہارا لے کر بعض نام نہاد صوفیوں نے، اتحاد و حلول کی مصیبت اور گمراہی کھڑی کر دی تھی، حضرت مجدد صاحب نے اس زندقے اور الحاد کے خلاف بھی زبردست جنگ کی اور اپنی تمام صلاحیتوں اور توانائیوں

کے ساتھ حق کو واضح کیا، اس سلسلے میں اُن کے بہت سے خطوط مطالعہ کے لائق ہیں۔ مکتوب ۴۴ دفتر دوم میں تحریر فرماتے ہیں، جو حضرات وحدۃ الوجود اور ہمہ اوست کے قائل ہیں اُن کا منشا و مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ چیزیں اس کے ساتھ بالکل متحد ہیں اور حق تعالیٰ مرتبۂ تنزیہ سے اتر کر دائرہ تشبیہ میں آگیا ہے اور واجب ممکن بن گیا ہے، یہ سب کچھ الحاد اور گمراہی ہے، ہمہ اوست، کے معنی یہ ہیں کہ صرف وہی موجود ہے اور سب نیست ہیں۔ مکتوب ۸۹ دفتر سوم میں لکھتے ہیں "جو صوفیائے کرام ہمہ اوست کے قائل ہیں وہ عالم کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ متحد نہیں جانتے اور علول و سریان ثابت نہیں کرتے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں ظلیت کے اعتبار سے کہتے ہیں وجود و تحقق کے لحاظ سے نہیں، اگرچہ اُن کی عبارتوں اور بیانات سے اتحادِ وجودی کا شبہ ہوتا ہے لیکن ان کی مراد ہرگز یہ نہیں، یہ تو کھلی ہوئی گمراہی ہے، اس لئے "ہمہ اوست کے معنی، ہمہ از وست" ہی کے ہیں یعنی ظہور و شہود جو کچھ ہے اسی سے ہے۔ حضرت مجدد صاحب کی ٹھوس اور خاموش انقلابی تحریک کا ہلکا سا نقشہ مکتوب ۶۵ دفتر اول، مکتوب ۸۱ دفتر اول، مکتوب ۶۷ دفتر دوم، مکتوب ۴۷ دفتر اول اور مکتوب ۵۴ دفتر سوم اور اسی طرح کے بہت سے خطوط سے سامنے آجاتا ہے۔ خان جہاں جو سلطانِ وقت جہانگیر کے مقربانِ خاص میں تھے اُن کو ایک طویل مکتوب میں لکھتے ہیں۔ دیکھو بادشاہ مثل روح کے ہوتا ہے اور باقی انسان بمنزلہ جسم کے، روح ٹھیک ہے تو جسم بھی صحیح سلامت ہے، روح میں خرابی آجائے تو جسم بھی خراب ہو جاتا ہے، ضروری ہے کہ بادشاہ کی اصلاح کی کوشش کرو کہ یہی تمام لوگوں کی اصلاح کی کوشش ہے۔ ایک خط میں شیخ فرید کو جو بارگاہِ سلطانی کے ممتاز مقربین میں شامل تھے، تحریر فرماتے ہیں "حاکمِ وقت کو دنیا سے وہی نسبت ہے جو پورے بدن سے دل کو ہے، دل صحیح ہے تو بدن بھی صحیح ہے، دل میں فساد آیا تو بدن اور جسم بھی فاسد ہو جائے گا۔ کہنے کی بات یہ ہے کہ بادشاہ کی صلاح و فساد سے دنیا کا صلاح و فساد وابستہ ہے"۔ اسی طرح عام ماحول اور سماج کی اصلاح کے سلسلے میں بھی بہت سے خطوط ہیں، مکتوبات مجدد الف ثانی کی یہی وہ غیر معمولی

خصوصیات ہیں جنھوں نے ان کو "ادبِ ملفوظ" کی تاریخ میں بے مثال بنا دیا ہے۔ آخر میں علامہ اقبال کے اشعار بھی سنتے جائیے جو انھوں نے حضرت مجدد صاحب کے مزار پر اُن کی شان میں کہے ہیں:

حاضر ہوا میں شیخِ مجدد کی لحد پر — وہ خاک کہ ہے زیرِ زمیں مطلعِ انوار
اس خاک کے ذرّوں سے ہیں شرمندہ ستارے — اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے — جس کے نفسِ گرم سے ہے گرمئِ احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملّت کا نگہباں
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

(آل انڈیا ریڈیو کے شکریے کے ساتھ)

انتخاب الترغیب والترہیب (جلد اول)

مولفہ: حافظ محدث ذکی الدین المنذریؒ

ترجمہ: مولوی عبد اللہ صاحب دہلوی

اعمالِ خیر پر اجر و ثواب اور بدعملیوں پر زجر و عتاب پر متعدد کتابیں لکھی گئی ہیں لیکن اس موضوع پر المنذری کی اس کتاب سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے، اس کے متعدد تراجم ہوئے مگر نامکمل ہی شائع ہوئے کتاب کی افادیت اور اہمیت کے پیش نظر اس کی ضرورت تھی کہ اصل متن، تشریحی ترجمہ اور حواشی کے ساتھ طبع کرایا جائے۔ ندوۃ المصنفین نے نئے عنوانوں اور نئی ترتیب کے ساتھ شائع کرنے کا پروگرام بنایا ہے جس کی پہلی جلد آپ کے سامنے ہے۔ صفحات ۵۰۰ قیمت -/۱۲ مجلد -/۱۳

ملنے کا پتہ: ندوۃ المصنفین، اردو بازار، جامع مسجد دہلی ۶